عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (۲)

تحریر : پروفیسر عبدالماجد، مانسہرہ

۴ میدانِ جنگ میں بھی برداشت کا حکم

اسلام نے جنگ کی اجازت دو صورتوں میں دی ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں پر اِس حد تک ظلم کیا جائے کہ وہ بنیادی حقوق (۳۰) سے محروم ہو جائیں (یعنی انسان کی جان، مال، عزت، نسل، دین اور فکر و عقل کا تحفظ نہ ہو سکے)، دوسرے یہ کہ ان کے دین کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول جنگ کے سلسلہ میں اسلام کی روح کو کامل طور پر ظاہر کرتا ہے :

"ولقد كانت حربهم لاطمينان على امرين : ديارهم من تغزوا ودينهم من ان يطمس" (۳۱)

"مسلمانوں کی دشمنوں سے جنگ دو باتوں کے اطمینان کے لئے ہوتی ہے، ایک یہ کہ ان کی بستیوں پر کوئی جنگ نہ مسلط کر دی جائے اور دوسرے یہ کہ ان کے دین کو مٹانے کی کوشش نہ کی جائے"۔

اس طرح اسلامی جنگ ظلم کے خاتمے، مظلوموں کی حمایت اور تمام مذاہب کے مقاماتِ عبادت کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ (۳۲) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور تعلیمات بھی اس پر شاہد ہیں کہ میدانِ جنگ میں پہلے مخالفین کو اسلام کی دعوت دی جاتی تھی، اگر وہ قبول نہ کرتے تو جزیہ کی قبولیت کے ساتھ جنگ روک لی جاتی، اور اگر یہ دونوں باتیں فریق مخالف قبول نہ کرتا تو پھر جنگ شروع کی جاتی، کیونکہ :

لِاَنَّ الْاِسْلَامَ يَدْعُوْ اِلَى السَّلَامِ وَلَا يَقْبَلُ الْاِسْتِسْلَامَ بِالْبَاطِلِ وَالْاِسْتِسْلَامَ فِى الْخُضُوْعِ لِلْبَاطِلِ (۳۳)

"بے شک اسلام امن کا خواہاں ہے' لیکن باطل کے ساتھ جھکنا اور باطل کی فرماں برداری قبول نہیں کر سکتا"۔

اس طرح اگر جنگ کے دوران بھی فریق مخالف صلح کے لئے تیار ہو جائے تو اس کی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے صلح کر لینے کی ہدایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی اس پر شاہد ہے کہ مکّہ کے تیرہ سالوں میں مشرکین کی تمام تکالیف کو آپؐ اور صحابہؓ نے جھیلا' لیکن جنگ کی صورت نہیں پیدا ہونے دی' اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں فتنہ و فساد سے بچنے کے لئے ابتدائی طور پر یہودِ مدینہ سے معاہدۂ امن کر لیا اور بعد کی جتنی جنگیں ہوئیں وہ یا تو اپنے دین و ایمان اور مسلمانوں کو کسی خطرہ سے بچانے اور ان کے بنیادی حقوق کی حفاظت کے لئے تھیں یا پھر اللہ کے دین کے غلبے اور سربلندی کے لئے۔

عام طور پر دُنیا کی جنگوں میں کوئی ضابطۂ اخلاق نہیں ہوتا' بلکہ جنگ میں ہر چیز جائز سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اسلامی جہاد (قتال) نفسانیت یا توسیع پسندی کے لئے نہیں۔ اس لئے اسلام نے جنگ کے دوران بھی اخلاقی قدروں کے لحاظ کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم سے منع کیا ہے۔ بچوں' عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے' لوٹ مار اور مُثلہ کرنے سے منع کیا' سفراء اور قاصدوں کو امان دینے کا حکم دیا' اسیروں سے نیک سلوک کی تلقین کی (۳۳) اور مخالفین کی دشمنی کی وجہ سے عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا حکم دیا۔

اسلام کی انہی تعلیماتِ صبر و برداشت کی بدولت عہد نبویؐ کے کُل غزوات و سرایا میں صرف ۲۵۹ مسلمان شہید ہوئے' ۷۱۲ زخمی ہوئے' مخالفین کے ۷۵۹ افراد قتل ہوئے اور ۶۵۶۴ افراد قید ہوئے۔ ۶۳۴۷ کے بارے میں صاف معلوم ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں از راہِ لطف و احسان بلا کسی شرط کے آزاد کر دیا۔ (۳۵)

اس کے مقابلے میں داعیانِ امن و سلامتی کی رزم گاہوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ چند جنگوں میں لاکھوں کروڑوں انسان موت کے گھاٹ اتارے گئے' مثلاً تیس سالہ جنگ' جس میں فرانس' آسٹریا اور سویڈن وغیرہ نے حصہ لیا اور ۱۶۱۸ء سے ۱۶۴۸ء تک جاری رہی' اس میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیس لاکھ افراد مارے گئے۔ پہلی

جنگ عظیم میں ایک کروڑ افراد مارے گئے' ۲ کروڑ مجروح ہوئے اور بعد میں جنگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے کئی لاکھ افراد مر گئے' اور ایک ہزار بلین امریکی ڈالر کا مال و اسباب تباہ ہوا۔ (۳۶)

۵ انسدادِ فساد کے لئے حقوق کا تعین

ان تعلیمات کے علاوہ حضور اکرم ﷺ نے معاشرے کو فتنہ و فساد سے بچانے کے لئے ہر ایک کے حقوق متعین کر دیئے۔ چونکہ مسلمان دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے اور یہاں اس نے اس کے احکامات کو نافذ کر کے امن و سلامتی کا دور دورہ کرنا ہے' اس لئے مسلمانوں کے آپس میں تعلقات کا درست ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اور آپؐ نے مسلمانوں کے تعلقات کی درستی کے لئے بڑی تفصیلی ہدایات دی ہیں۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے اور سب سے اچھا مسلمان اس کو کہا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ مسلمان کی عزت و آبرو کی طرف ہاتھ بڑھانے کو سب سے بڑا ربا (سود) قرار دیا ہے۔ کسی مسلمان کے ساتھ تین دن سے زائد قطع تعلق کو ناجائز و حرام کہا ہے۔ مسلمانوں کے قتل پر اللہ کے غضب اور جہنم کا مستحق ٹھہرایا۔ کسی مسلمان کے قتل کو ساری دنیا کے زوال سے بڑا وبال قرار دیا۔

آپس میں کینے' بغض اور حسد کو سختی سے منع فرمایا :

((لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ' وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) (۳۷)

"آپس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو' آپس میں کسی ایک کو دوسرے کے خلاف مت بھڑکاؤ' اور آپس میں بغض نہ رکھو' نہ آپس میں پیٹھ پیچھے بُرائی کرو اور نہ کوئی کسی کی بیع پر بیع کرے' اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ"۔

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا :

"لوگو! تمہارے خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن تم اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو ـــــ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو"۔ (۳۸)

اور یہ بھی فرمایا :

((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ ' لاَ یَظْلِمُهٗ وَلاَ یُسْلِمُهٗ)) (۳۹)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے ' نہ تو اس پر ظلم کرے ' نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے"۔

اور فرمایا :

((اَنَا زَعِیْمٌ بِبَیْتٍ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَاِنْ كَانَ مُحِقًّا)) (۴۰)

"میں جنت کے اطراف میں گھر کا ضامن ہوں اس شخص کے لئے جو حق پر ہونے کے باوجود بحث مباحثہ سے اجتناب کرے"۔

اور کسی مسلمان کو خوف زدہ کرنے سے منع فرمایا :

لاَ یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّرُوْعَ مُسْلِمًا (۴۱)

یہ وہ اصولی تعلیمات ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کے نازک آبگینہ کی حفاظت کے لئے عطا فرمائی تھیں۔ آج کے مسلمانوں کو ان تعلیمات پر عمل کرنے کی اشد ضرورت ہے ' تاکہ مسلمانوں کے آپس کے تعلقات درست ہوں اور امن و بھائی چارہ قائم ہو۔

۶ عدمِ برداشت کا نتیجہ ' مسلمانوں کا آپس میں جنگ و جدال :

سطور بالا سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کی تعلیمات افراط و تفریط سے پاک راہِ معتدل کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور بنی نوع انسان کو پُرامن بقائے باہمی (Peaceful Mutual Co-existence) کے اصول کے ذریعے ایک کنبہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہیں ' لیکن بدقسمتی سے آج مسلمان ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آپس میں ہی دست و گریبان ہیں۔ وہ اُمت جو ہر لحاظ سے ناقابل تقسیم وحدت تھی اور اسے بنیانِ مرصوص بن کر زمانے میں اسلام کے پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچانا تھا ' آج وہ خود افتراق و تشتّت کا شکار ہے۔ مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور گروہ مسلکوں کی بنیاد پر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں اور چھوٹے چھوٹے فروعی اور نقطۂ نظر کے

اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ غیر مسلموں والا سلوک شروع کر دیا ہے جو کہ انتہائی خطرناک ہے۔ کسی بھی معاملے میں اختلافِ رائے کا ہونا کوئی مذموم چیز نہیں' کیونکہ قدرت کے نظام میں سو فیصد یکسانیت (Monotony) محال ہے' لیکن اختلاف رائے کو اتنا بڑھالینا کہ بات باہمی نزاع اور جنگ و جدال تک پہنچ جائے' یہ بہرحال مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔ غیر منصوص احکام میں اختلاف رائے خود رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں آپ ﷺ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور خلفائے راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں جب نئے نئے مسائل سامنے آئے جن کا ذکر قرآن و احادیث میں صراحتاً نہ تھا تو اختلاف رائے ہوا اور یہ اختلاف رائے عقل و دیانت کی بنا پر ناگزیر [۴۲] تھا' لیکن بات کبھی مستقل جھگڑے اور ایک دوسرے کی تفسیق و تکفیر تک نہیں پہنچی' جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک مسئلہ میں اختلاف رائے ہو رہا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو غضب ناک ہو کر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ "افسوس' رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں دو ایسے شخص جھگڑ رہے ہیں جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور جن سے لوگ دین کا استفادہ کرتے ہیں۔" پھر دونوں حضرات کے اختلاف کا فیصلہ یوں کیا "صَدَقَ اُبَیٌ فَلَمْ یَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ" یعنی صحیح بات تو اُبی بن کعب کی ہے مگر اجتہاد میں کوتاہی ابن مسعود نے بھی نہیں کی۔ [۴۳] حضرت عمر فاروقؓ کے اس فیصلے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اجتہادی مسائل و اختلافات میں ایک قول صحیح و صواب ہوتا ہے اور دوسرا اگرچہ صواب نہیں ہوتا مگر ملامت اس پر بھی نہیں کی جاسکتی' کیونکہ بخاری و مسلم میں عمرو بن العاصؓ سے ایک روایت ہے کہ جب کوئی اجتہاد کرے اور وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں' اور جب اجتہاد میں غلطی ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ [۴۴] دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسے اجتہادی مسائل میں اختلاف پر زور دینا اہل علم کے لئے مناسب نہیں جس سے ایک دوسرے پر ملامت یا نزاع و جدال کے خطرات پیدا ہوں۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ مجتہدین کو آپس میں ایک دوسرے کا تخطیہ نہیں کرنا چاہئے' یعنی ان میں ایک دوسرے کو یوں نہ کہے کہ آپ غلطی پر ہیں۔ [۴۵] کیونکہ

مجتہدین کے اختلافات میں جب کوئی جانب منکر نہیں ہوتی تو غیر منکر پر نکیر خود منکر ہے' اس لئے نرمی و خیر خواہی سے انسان دوسرے کو متنبہ کر دے' اگر وہ قبول کر لے تو بہتر ہے ورنہ جھگڑا اور بدگوئی نہ کرے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ علم میں جھگڑا اور جدال نورِ علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنّت کا علم ہے' کیا وہ حفاظت سنّت میں جدال کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں' بلکہ اس کو چاہئے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کر دے' وہ قبول کر لے تو بہتر ہے ورنہ سکوت اختیار کرے۔ (۴۶) (نزاع و جدال سے پرہیز کرے) قرآن میں ﴿ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ کا یہی مطلب ہے کہ حجت و دلیل کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوشش کی جائے۔ (۴۷)

اور بقول مولانا مفتی محمد شفیعؒ اجتہادی و فروعی اختلافات کے ساتھ جو معاملہ آج کل کیا جا رہا ہے کہ اسی بحث و مباحثہ کو دین کی بنیاد بنالی گئی ہے اور اس پر باہمی جنگ و جدال اور سب و شتم تک نوبت پہنچا دی گئی ہے' یہ طرزِ عمل بلاشبہ قرآن حکیم کے حکم: "وَلَا تَفَرَّقُوْا" کی کھلی مخالفت اور صحابہؓ و تابعینؒ کی سنّت کے بالکل خلاف ہے۔ اسلافِ اُمت میں کبھی کہیں نہیں سنا گیا کہ اجتہادی اختلافات کی بناء پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو (۴۸) (جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔)

آج حضور ﷺ کے علم کے وارثوں کو آپؐ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے آپس میں رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے افہام و تفہیم پیدا کرنا ہوگی' (بمطابق ﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ اور بزرگوں کے اس قول پر عمل کرنا ہوگا کہ "اپنے مسلک کو چھوڑو نہ اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہ۔ (۴۹)" کیونکہ تمام اُمّت کا اس پر اتفاق ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا کوئی صورت دین پر عمل کرنے کی نہیں کہ جو لوگ خود اجتہاد کا درجہ نہیں رکھتے وہ اجتہادی مسائل میں کسی امام یا مجتہد کی رائے پر عمل کریں اور اسی طرح دوسرے کسی دوسرے امام مجتہد کی پیروی کریں تو کوئی حرج نہیں' جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "انہیں حضور ﷺ نے فقہ کے مذاہب اربعہ کو یکساں تصور کرنے کی ہدایت کی' کیونکہ فقہ کے تمام قوانین کی اصل بنیاد تو عنایت الٰہی ہے' اس کے بعد جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا اس کے مطابق اس اصل سے نئی نئی شاخیں اور

الگ الگ صورتیں بنتی جاتی ہیں۔ چونکہ رسول اللہؐ کی روح کے جوہر میں ان تمام فقہی فروعات کا بنیادی علم موجود ہے' اسلئے آپؐ کی نظر میں ان میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی امتیاز نہ ہو"۔ آگے وہ لکھتے ہیں "بات دراصل یہ ہے کہ فقہ کے مذاہب گو ایک دوسرے سے مختلف ہیں' لیکن جہاں تک فقہ کے ضمن میں دین اسلام کے ضروری اصول ومبادی کا تعلق ہے وہ مذاہب فقہ میں سے ہر مذہب میں موجود ہیں"۔ (۵۰)

اس لئے آج علماء کرام کو فقہی وفروعی مسائل میں توسع اور وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہوئے ایک دوسرے کو برداشت کرنا ہوگا اور اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے اُمت کے اندر اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرنا ہوگی۔ اور اگر تنقید ضروری ہی ہو تو پھر قرآنی حکم ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ (۵۱) کے مطابق مخالف کے معاملے میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا ہوگا۔ اور دوسروں پر تنقید کرتے وقت یہ بات مستحضر رہے کہ ربّ العالمین کی عدالت میں ہر بات اور دعوے کو ثابت کرنا پڑے گا۔ (کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کیا جائے جسے شرعی اصولوں کے مطابق وہاں ثابت نہ کیا جاسکے) (۵۲)

① باہمی تکفیر کا مسئلہ

مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کا بڑا سبب تکفیر کا فتنہ ہے' یعنی ایک فرقے یا مسلک کا دوسرے کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس کے متبعین کو کافر قرار دے کر خارج از اسلام سمجھنا (۵۳)۔ باہمی تکفیر کا یہ فتنہ اتنا وبائی ہے کہ جس کی زد سے آج کوئی مسلمان محفوظ نہیں' کیونکہ ہر مسلمان کا کسی مسلک یا جماعت سے تعلق ہے جو دوسرے کے نزدیک نہ صرف یہ کہ کافر بلکہ مباح الدم اور واجب القتل ہے۔ بعض مفتیوں کے ایسے فتوے بھی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جو شخص فلاں فرقے اور اس کے فلاں فلاں اشخاص کو کافر نہ سمجھے وہ کافر ہے۔ ایسے ہی فتوؤں اور مناظروں کی وجہ سے اُمت مسلمہ اس وقت متحارب گروپوں میں تقسیم ہے اور اس مسئلہ کی وجہ سے اُمت کو جتنا نقصان پہنچا اور عالمی سطح پر مسلمانوں کی جتنی بدنامی ہوئی اتنی کسی اور مسئلہ کی وجہ سے نہیں ہوئی۔ بلکہ اس وجہ

سے جدید تعلیم یافتہ طبقے کی علماء اور اسلام سے بُعد کی کیفیت پیدا ہوئی ہے ـــــ یہی وہ فتنہ ہے جس کی وجہ سے آج اُمت کی پناہ گاہیں (عبادت گاہیں) بھی محفوظ نہیں اور انہیں مسلمانوں کے معصوم خون کے ساتھ رنگین کیا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن و حدیث سے جو ہدایات ملتی ہیں ان کے مطابق جو شخص ضروریاتِ دین کا انکار نہ کرتا ہو اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو' وہ جتنا بھی گناہ گار اور کبائر کا مرتکب ہو اس کی تکفیر کسی طرح بھی جائز نہیں۔ مسلمان بڑی سے بڑی ناگوار بات بلکہ گالی تک برداشت کرلیتا ہے لیکن جب اسے کافر کہا جائے تو وہ یہ کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس فتنہ کے سدباب کے لئے بڑی واضح تعلیمات عطا کی ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((ثَلَاثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِیْمَانِ : اَلْکَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ' لَا تُکَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ . . .)) (۵۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تین چیزیں اصل ایمان ہیں (ان کا ایمان سے بنیادی تعلق ہے) ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہو اس کے متعلق زبان کو روک رکھنا' نہ کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے اور نہ کسی برے عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج کیا جائے . . ."

جو شخص کسی کو کافر کہے درانحالیکہ وہ حقیقت میں کافر نہ ہو تو کفر کا فتویٰ تکفیر کرنے والے کی طرف لوٹ آئے گا :

((اَیُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِیْهِ یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا)) (۵۵)

"جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا"۔

((لَا یَرْمِی رَجُلٌ رَجُلاً بِالْفُسُوْقِ وَلَا یَرْمِیْهِ بِالْکُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَیْهِ اِنْ لَّمْ یَکُنْ صَاحِبُهُ کَذٰلِكَ)) (۵۶)

"جب کبھی ایک شخص دوسرے پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ تہمت اس پر

لوٹ آئے گی اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی تھی درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو"۔

((مَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ اَوْ قَالَ عَدُوَّاللّٰهِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ اِلاَّ حَارَ عَلَيْهِ)) (۵۷)

"جو شخص کسی کو کافر یا دشمن خدا کہے، جبکہ وہ شخص ایسا نہ تھا، تو یہ قول خود قائل پر ضرور پڑے گا"۔

((مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهٖ وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِالْكُفْرِ فَهُوَ كَقَتْلِهٖ)) (۵۸)

"جس نے کسی مؤمن پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل کیا، اور جس نے کسی مؤمن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کر دیا"۔

اسی طرح فقہاء نے کفر کے حوالے سے یہ اصول بیان کیا ہے :

من قواعد اهل السنة والجماعة ان لا يكفر واحد من اهل القبلة (۵۹)

"اہل سنّت والجماعۃ کے بنیادی قواعد میں سے ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے"۔

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے :

عن ابی حنيفة لا نكفر اهل القبلة بذنب (۶۰)

اور اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب فقہاء نے یہ دیا ہے :

واعلم ان اهل القبلة الذين اتفقوا علٰى ماهو من ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر الاجساد (۶۱)

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جواہر الفقہ میں ضابطہ کفر کے ذیل میں لکھا ہے :

"اگر کسی خاص شخص یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو، خواہ تردد کے اسباب میں علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم لگایا جائے نہ اسلام کا حکم۔ اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ

((لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا)) یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب' اور کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اُس نے اتارا ہم پر"۔ (۶۲)

روایاتِ بالا سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ مسئلہ تکفیر نہایت نازک مسئلہ ہے' اور بقول مولانا مودودی :

"اسلام میں کسی شخص یا گروہ کو کافر کہہ دینے کا معنی یہی نہیں ہے کہ اس کے اعتقاد اور نیت پر حملہ کیا گیا' بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی معاشرے اور اس کے ایک فرد یا چند افراد کے درمیان برادری' محبت' معاشرت اور باہمی تعاون کے جتنے رشتے تھے سب کاٹ دیئے گئے' اُمت مسلمہ کے جسم سے ایک عضو یا متعدد اعضاء کو کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ یہ فعل اگر خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق ہو تو یقیناً حق ہے' اس صورت میں اس سڑے ہوئے عضو کو کاٹ پھینک دینا ہی اسلام کے ساتھ سچی خیر خواہی ہے' لیکن اگر قانونِ الٰہی کی رو سے وہ سڑا ہوا نہ ہو اور محض ظلم سے کاٹ ڈالا ہو تو ظلم خود اس عضو سے بڑھ کر اس جسم پر ہو گا جس سے وہ کاٹا گیا ہو"۔ (۶۳)

یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس دینی رشتہ کے احترام کی سخت تاکید کی ہے اور اس شخص کے بارے میں سخت عذاب کی دھمکی دی ہے جو اُمت کے افراد میں فتنہ و انتشار کا باعث بنے۔ (۶۴)

② شیعہ سُنّی تنازع

گزشتہ چودہ سو سال سے شیعہ اُمّتِ مسلمہ میں ایک فرقے کی حیثیت سے موجود ہیں' اور اس کے باوجود کہ ان میں سے بعض غالی گروہوں کی انتہائی گمراہی پر مشتمل عقائد کی وجہ سے مختلف علماء و فقہاء نے ان کی تفسیق و تکفیر بھی کی' لیکن مجموعی اعتبار سے کبھی بھی اُمت کا تمام اہل تشیع کی تکفیر پر اجماع نہیں ہوا (۶۵) (کیونکہ ان میں کئی فرقے اعتدال پسند اور بعض بین بین ہیں) اُمت کی تاریخ میں معمولی نہیں بڑے بڑے اختلاف ہوئے' لیکن ان کی بنیاد پر کسی کی تکفیر نہیں ہوئی۔ جس قدر "tolerance" اسلام کی تاریخ میں رہا اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی' جبکہ عیسائیت کے مختلف فرقوں میں اتنا

کشت و خون ہوا ہے کہ اس پر خود ان کی گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام نے اختلافات کو "absorb" کیا ہے، کیونکہ مختلف ادوار میں جتنے فرقے پیدا ہوئے وہ چونکہ بنیادی ایمانی عقائد اور ارکان اسلام کو کسی نہ کسی صورت میں مانتے تھے لہٰذا نہ ان کی تکفیر ہوئی اور نہ انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔ چنانچہ علماء متقدمین نے مختلف فرقوں پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں ان فرقوں (معتزلہ، مرجئہ، قدریہ، روافض اور جہمیہ وغیرہ) کو مسلم قرار دیا اور ان کے عقائد و افکار پر بحث و تحقیق کی۔ البتہ بعض کتابوں میں ان کو فرقہ ضالہ، یعنی گمراہ اور بھٹکے ہوئے فرقوں سے تعبیر کیا۔ (۶۶) شیخ ابو الحسن الاشعریؒ نے اس طرح کی ایک کتاب لکھی، اس کا نام "مقالات الاسلامیین" رکھا جو اس کتاب میں ذکر شدہ فرقوں کے مسلمان ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ (۶۷) اسی طرح مصری عالم شیخ ابو زہرہ نے اس موضوع پر ایک عام فہم کتاب لکھی ہے جس میں ان سب فرقوں کو (ماسوائے ان کی چند شاخوں کے) مسلم تسلیم کرتے ہوئے ان کے عقائد و نظریات کو واضح کیا ہے۔ (اس کا اردو ترجمہ پاکستان کے ایک پروفیسر غلام احمد حریری مرحوم نے کیا ہے۔)

بالفرض اگر کوئی شخص یا گروہ کچھ ایسے غلط عقائد کا قائل تھا اور کہیں تکفیر بھی ہوئی ہے، لیکن موجودہ دور میں جو قتل و غارت اور جنگ و جدال کا بازار گرم ہوا ہے ایسا کبھی کسی دور میں نہیں ہوا اور نہ ہی کسی فرد یا گروہ کو اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ قانون اپنے ہاتھوں میں لے کر دوسرے اشخاص یا گروہ پر مسلح حملے کرے، اور پھر اس سے آگے بڑھ کر ان کے مقاماتِ عبادت پر حملے کئے جائیں اور اسے جہاد اور کارِ ثواب قرار دیا جائے۔ اسلام تو کھلے کافروں کے معابد کو نقصان پہنچانے یا ان پر حملے کرنے کو حرام اور گناہ کبیرہ قرار دیتا ہے۔ (ملاحظہ ہو اس مضمون کا سیکشن نمبر ۸) جبکہ یہاں اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے دوسروں کے معابد پر حملے کرتے ہیں اور مسلمانوں کا بے گناہ قتل عام کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسوہ اس حوالے سے تمام گروہوں کے لئے مشعل راہ بن سکتا ہے کہ آپؓ نے اپنے دور کے خوارج کو (جو کہ اعلانیہ طور پر اسلامی حکومت کے خلاف تھے اور بزورِ شمشیر اس کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے اور کئی غلط خیالات و نظریات

کے قائل تھے) یہ پیغام دیا :

كُوْنُوْا حَيْثُ شِئْتُمْ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لاَ تَسْفِكُوْا دَمًا وَلاَ تَقْطَعُوْا سَبِيْلاً وَلاَ تَظْلِمُوْا اَحَدًا (۶۸)

"تم جہاں چاہو رہو' ہمارے اور تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خونریزی اور راہزنی اختیار نہ کرو اور ظلم سے باز رہو"۔

ایک دوسرے موقع پر انہیں یہاں تک پیغام دیا :

لاَ نَبْدَءُكُمْ بِقِتَالٍ مَا لَمْ تُحْدِثُوْا فَسَادًا (۶۹)

"جب تک تم فساد کے مرتکب نہیں ہو گے ہم تمہارے خلاف لڑائی کی ابتداء نہیں کریں گے"۔

آج اُمّتِ مسلمہ کے مختلف گروہوں اور جماعتوں کو تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے "Peacefully" ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہے۔ اور بجائے سختی اور تشدد کے آپس میں افہام و تفہیم پیدا کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے' کیونکہ زبردستی اور شدت سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا' بلکہ مزید اُلجھ جاتا ہے۔ جیسا اہل سُنّت کے ایک بڑے عالم اور شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب صفدر مدّ ظلّہٗ نے مختلف جماعتوں اور گروہوں کے رہنماؤں اور کارکنوں کے نام اپنے ایک خط میں یہ لکھا :

"نوجوان جذباتی ہوتے ہیں اور جذبات میں بہت کچھ کر اور کہہ جاتے ہیں۔ شدت اور سختی سے کبھی بھی مسائل حل نہیں ہوتے اور نہ قوت و طاقت سے کسی فرد یا نظریہ کو ختم کیا جا سکتا ہے ..... اس لئے گزارش ہے کہ نوجوانوں کو قولاً اور فعلاً شدت اختیار کرنے سے سختی کے ساتھ روکیں۔ در و دیوار پر کافر کافر لکھنے اور نعرہ بازی سے بجائے فائدہ کے نقصان ہو گا (اور ہوا ہے) عیاں راچہ بیاں"(۷۰)

(جاری ہے)

حواشی و حوالہ جات

(۳۰) یہ پانچ حقوق فقہاء اسلام نے قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں متعین کئے ہیں۔ اصلی عبارت موفقات' شاطبی' ج ۴' ص ۲۲ کی ملاحظہ ہو : مجموع الضروریات

خمسة حفظ الدین والنفس والنسل والمال والعقل" فقہاء نے لکھا ہے اگر ان پانچ حقوق کی رعایت نہیں کی جائے گی تو انفرادی زندگی میں [illegible] گا اور پھر قومی و بین الاقوامی معاملات میں بھی کشیدگی پیدا ہوگی۔ اسلام نے ہر ایسے طریقے کو منع کیا ہے جس کی وجہ سے انسان کے یہ پانچ حقوق معطل ہوں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات از مجیب اللہ ندوی، ص ۸۷

(۳۱) العلاقات الدولہ ص ۵۱ بحوالہ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات از مجیب اللہ ندوی، ص ۱۴۸

(۳۲) مفہوم قرآنی آیات سورۃ الحج ۳۹، ۴۰

(۳۳) قول شیخ ابو زہرہ، بحوالہ ۳۱

(۳۴) سیرت النبیؐ، ج ا، ص ۳۴۰ اور الجہاد فی الاسلام۔ مصنفہ مولانا مودودی، ص ۲۲۴ تا ۲۳۴

(۳۵) قاضی سلمان منصورپوری۔ اسوۂ حسنہ۔ مسلم پبلیکیشنز، اردو بازار، لاہور، ص ۶۷

(۳۶) ایضاً۔ اور انعام یافتہ مضامین۔ وزارت مذہبی امور، اسلام آباد، ص ۳۶

(۳۷) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا یخطب علی خطبة اخیه حتی ینکح او یدع۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظن والتجسس والتنافس

(۳۸) اس سیکشن کے لئے زیادہ استفادہ سیرت النبیؐ، ج ۶ ص ۱۵۴ تا ۱۶۰ سے کیا ہے۔

(۳۹) صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم

(۴۰) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق

(۴۱) ابوداؤد، کتاب الادب۔ بحوالہ دائرۂ معارف اسلامیہ۔ ج ۲۱، ذیل عنوان "مسلم"

(۴۲) ماہنامہ تدریس القرآن (اگست ۹۸ء) میں علامہ ابن قیم کی کتاب اعلام الموقعین کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان ۱۰۰ مسائل میں اختلاف تھا۔ اسی طرح اور صحابہ کے درمیان میں رایوں کے اختلاف کا ذکر ہے..... کسی نے بھی اختلاف کو برا نہیں مانا۔ تمام لوگوں نے اس کو ایک فطری معاملہ سمجھا جس سے نہ باہمی محبت ختم ہوئی اور نہ مسلمانوں کی جماعت میں کوئی انتشار پیدا ہوا۔ ص ۵ زیر نگرانی جمعیت تعلیم القرآن (ٹرسٹ) عالمگیر روڈ، کراچی۔

(۴۳) جامع العلم، ج ۲، ص ۸۴۔ بحوالہ وحدت امت۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور ۱۹۸۵ء، ص ۷

(۴۴) مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ۔ معارف القرآن۔ ج ۲، ص ۱۴۳

(۴۵) ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۴۳

(۴۶) اوجز المسالک۔ بحوالہ وحدت امت، ص ۱۷

(۴۷) مولانا سرفراز خان صاحب صفدر، تبلیغ اسلام۔ مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ۱۹۹۴ء، ص ۴۹

(۴۸) مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ۔ معارف القرآن ج ۲، ص ۱۴۴

(۴۹) یہ قول مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو کہ دراساتِ اسلامیہ (قاضی مجیب الرحمٰن) سے لیا گیا ہے۔

(۵۰) قاضی جاوید، افکار شاہ ولی اللہ، ص ۱۷۳ اور ارمغان شاہ ولی اللہ۔ مرتب محمد سرور، ص ۱۷۸۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ روڈ، لاہور۔

(۵۱) المائدہ ۵ : ۸

(۵۲) دوسروں پر تنقید کے حوالہ سے احتیاط و تثبت کے لئے ملاحظہ ہو جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب "میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاح و مذاق کے صفحات نمبر ۱۱۳۔ ۱۳۴ ادارۃ المعارف، کراچی نمبر ۱۴۔

(۵۳) باہمی تکفیر کے سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا محمد طاسین رحمۃ اللہ علیہ کا کتابچہ "مسئلہ ایمان و کفر قرآن و حدیث کی روشنی میں" تنظیم اسلامی پاکستان، ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو۔ لاہور ۱۹۹۷ء۔

(۵۴) سنن ابی داؤد، ج اول، ص ۳۴۳۔ بحوالہ بالا، ص ۷

(۵۵) صحیح بخاری۔ بحوالہ تفہیمات، حصہ دوم۔ مولانا مودودی۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۱

(۵۶) ایضاً

(۵۷) صحیح مسلم بحوالہ مذکورہ

(۵۸) صحیح بخاری بحوالہ مذکورہ

(۵۹) شرح عقائد نسفیہ۔ بحوالہ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع صاحب۔ ادارۃ المعارف، کراچی نمبر ۱۴، ج ۱، ص ۳۰

(۶۰) جواہر الفقہ، ج ۱، ص ۳۱

(۶۱) ایضاً، ص ۳۳

(۶۲) ایضاً' ص ۶۳

(۶۳) مولانا مودودی' تفہیمات' حصہ دوم' ص ۱۸۱'۱۸۲

(۶۴) امّتِ مسلمہ میں فتنہ و انتشار پھیلانے پر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے عذاب کی وعیدوں کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب "امّتِ مسلمہ کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل" میں طبع شدہ تقریر حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ (حضرت جی) بن مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور۔

(۶۵) اہلِ تشیع کے بارے میں شیخ ابو زہرہ اپنی کتاب اسلامی مذاہب کے ص ۳۷'۴۷ پر لکھتے ہیں کہ ان کے بعض فرقوں میں حد درجہ کا غلو پایا جاتا تھا' جیسے غرابیہ' سبیئہ' کیانیہ اور ان کے اشباہ و امثال۔ شیخ ابو زہرہ آگے لکھتے ہیں : ان غالی فرقوں کے بارے میں موجودہ شیعہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ اہلِ قبلہ میں بھی شمار کئے جانے کے قابل نہیں چہ جائیکہ ان کو شیعہ تصور کیا جائے۔ شیخ کہتے ہیں اس لئے ہمیں ان کے اس دعوے کی تائید کرنا چاہئے۔ اسی طرح مدرسہ نصرۃ العلوم' گوجرانوالہ کے بانی مولانا صوفی عبدالمجید صاحب کا ذوق بھی یہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں : "اس ملک میں بریلوی' دیوبندی' اہل حدیث اور شیعہ سبھی رہتے ہیں اور یہ بات ذہن سے نکال دیں کہ ان میں سے کوئی کافر ہے' ہرگز نہیں' بلکہ مسلمان ہوتے ہوئے بعض میں گمراہی پائی جاتی ہے اور بعض غلط چیزیں پائی جاتی ہیں' مگر ہیں تو سب مسلمانوں ہی کے مختلف فرقے۔ ان سب کو اس ملک میں رہنے کا حق حاصل ہے۔ سب کا فرض ہے کہ وہ انصاف اور اعتدال کے ساتھ رہیں —— ایک مسلک کے لوگوں کا دوسرے مسلک کے لوگوں کے خلاف مشتعل کرنا تو بدترین قسم کی غنڈہ گردی ہے"۔ خطبات سواتی' مکتبہ دروس القرآن' فاروق گنج' گوجرانوالہ ۱۹۹۵ء' ص ۲۶۵'۲۶۶۔

ہم نے گزشتہ سال سے اس مسئلہ پر کافی تحقیق کی ہے اور مختلف علماء وقت سے رجوع کیا' جن میں مولانا جسٹس تقی عثمانی اور مولانا مفتی محمد جمال صاحب وغیرہ سرفہرست ہیں۔ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی کا بھی نقطہ نظر یہی ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ صاحب کا بھی یہی ذوق تھا کہ "جو شخص (شیعہ یا کوئی اور) بنیادی ضروریاتِ دین کا انکار نہ کرتا ہو تو اس کی تکفیر نہ کی جائے..... کیونکہ کسی کو کافر قرار دینا چونکہ نہایت سنگین معاملہ ہے اس لئے اس میں بے حد احتیاط ضروری ہے۔ اگر بالفرض کوئی تقیہ بھی کرے تو وہ اپنے باطنی غلط عقائد کی وجہ سے عنداللہ کافر ہوگا' لیکن فتویٰ اس کے ظاہری اقوال پر ہی دیا جائے گا۔ اس لئے گزشتہ چودہ سو سال میں علمائے اہل سنت کی اکثریت نے شیعوں کو علی الاطلاق کافر نہیں

کہا۔ ہاں، جو شخص ضروریاتِ دین کا انکار کرتا ہو وہ بلاشبہ کافر ہے (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)"۔ (رجسٹر فتاویٰ جامعہ دارالعلوم کراچی، ص ۵۳)

(۶۶) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا محمد طاسین صاحب کا کتابچہ "مسئلہ ایمان و کفر، قرآن و حدیث کی روشنی میں" ص ۱۳

(۶۷) اصل عبارت ملاحظہ ہو: اختلف الناس بعد نبیهم فی اشیاء کثیرة وضلل فیها بعضهم بعضا وبری بعضهم بعضا فساروا فرقا متباینین واحذابا متشتتین الا الاسلام یجمعهم ویشتمل علیهم۔ یعنی لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے بعد بہت سی باتوں میں اختلاف کیا، بعض نے بعض کو گمراہ قرار دیا، اور بعض نے بعض کو بری گردانا۔ پس اس طرح وہ باہم مختلف گروہ اور جدا جدا جماعتیں بن گئے۔ مگر یہ کہ اسلام ان سب کو جمع کرتا ہے اور ان سب کو دائرہ اسلام میں شامل کرتا ہے۔ مقالات الاسلامیین، ص ۲

(۶۸) نیل الاوطار، ج ۷، ص ۴۹ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل۔ مولانا محمد تقی امینی، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام، کراچی، ص ۲۹۶

(۶۹) ایضاً، ص ۲۹۷

(۷۰) مولانا سرفراز خان صفدر، مکتوب گرامی شائع کردہ مدرسہ فیضان سرفراز۔ پل نوشہرہ، سانسی، جناح روڈ، گوجرانوالہ ۱۹۹۲ء، ص ۳، ۴

بقیہ : سیرت وسوانح

میں اور شہاب الدین بوصیری نے "اطراف المسانید العشرہ" میں اس کے مرویات نقل کئے ہیں۔

مسند ابو یعلیٰ مولانا ارشاد الحق اثری کی تحقیق، تعلیق اور تخریج سے ۶ جلدوں میں ۱۹۸۸ء میں دار القبلة للثقافة الاسلامیة، جدہ سعودی عرب سے شائع ہو چکی ہے۔

مراجع و مصادر

۱) ذہبی، تذکرة الحفاظ
۲) ابن عماد، شذرات الذہب
۳) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ
۴) شاہ عبدالعزیز، بستان المحدثین
۵) عبدالرحمٰن مبارک پوری، مقدمہ تحفة الاحوذی